اسلامی قوانینِ دفاع کی معنویت عہدِ حاضر میں

سعید الحق جدون*

بخت شید**

تمہید:

دینِ اسلام ایک جامع مذہب ہے۔ اس کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کو جس شعبے میں بھی رہ نمائی کی ضرورت ہو، تو دینِ حنیف نے ہمیشہ اس کی دست گیری کی ہے۔ معاملات ہوں یا معاشرت ، معاشیات ہوں یا عبادات ، سیاسیات ہوں یا اخلاقیات، امن ہو یا جنگ ، غرض کہ ہر پہلو کے بارے میں اسلامی شریعت نے انسان کی رہ نمائی کی ہے۔ ان مختلف شعبوں میں ایک دفاع کا شعبہ ہے۔ دفاع کی اہمیت عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی دفاع کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام نے گھر سے لے کر ریاست تک اپنی حفاظت کرنے اور سکیورٹی سسٹم مضبوط بنانے کا حکم دیا ہے؛ چناں چہ قرآن و سنت میں اس حوالے سے واضح رہ نمائی ملتی ہے۔

قرآن و سنت نے سکیورٹی سسٹم کے جو اصول و قوانین وضع کیے اور تصورات پیش کیے ہیں، نیز فقہاے کرام نے اپنے زمانے کے حالات کے لحاظ سے ان اصول کی روشنی میں ملک و ملت کے دفاع کے لیے جو تطبیقات بیان فرمائی ہیں، عہدِ حاضر کی شورش، بد امنی اور دشمنانِ ملک و ملت کی شر انگیزیوں میں ان قوانین کی معنویت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، کیوں کہ حالاتِ حاضرہ میں اگر ایک طرف ملکی سرحدات کو طرح طرح کے خطرات لاحق ہیں تو دوسری طرف اندرونِ ملک بھی شورش اور بد امنی اس حد تک پھیل چکی ہے کہ نہ مساجد و مراکز محفوظ ہیں اور نہ ہی تعلیمی ادارے۔ اس لیے موجودہ حالات میں ایک مضبوط دفاعی سسٹم کی اہمیت و ضرورت کا انکار ممکن نہیں۔ زیر نظر مقالے میں اسلامی قوانینِ دفاع کی معنویت اور ان کی رو سے عصرِ حاضر کے دفاعی اقدامات پر بحث کی جاتی ہے۔

---

* ایم فل ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد۔ (saeedulhaqjadoon@gmail.com)

** ایم فل ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونی ورسٹی کراچی۔(bakhtshaid@gmail.com)

دفاع کی اہمیت قرآن کی نظر میں

اسلام میں دفاع کی اہمیت ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کا حکم بار ہا دیا ہے، اپنا اور ملک وملت کا دفاع کرنے اور سکیورٹی سسٹم مضبوط بنانے کے حوالے سے ذیل میں چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

۱- سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا﴾[۱] (اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان پکڑو پھر (دشمن سے مقابلے کی صورت میں) دستوں کی صورت میں یا اکٹھے ہو کر نکلو۔) حذر کا مطلب ہے جاگتے رہنا اور دشمن کے مکر وفریب سے بچتے رہنا۔[۲] یہ آیت مومنوں کو یہ دعوت دیتی ہے کہ ان میں اتنی استعداد ہو جس کی بنیاد پر وہ ہر زمان ومکان میں دشمن کے ہتھ کنڈوں سے بچ سکیں۔[۳]

۲- دشمن کے مقابلے میں اپنے دفاع کے لیے ڈٹے رہنے کی ترغیب قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[۴] (اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔)

"صابروا" باب مفاعلہ ہے اور مفاعلہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں مقابلہ کا معنی پایا جاتا ہے تو "صابروا" کا مطلب یہ ہو گیا کہ کافروں کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔

"رابطوا" کا مطلب ہے دشمنوں سے جہاد کے مورچوں پر ڈٹے رہنا۔[۵]

۱- القرآن ۴: ۷۱۔

۲- مجموعة من العلماء بإشراف مجمع البحوث الإسلامية بالأزهر، **التفسير الوسيط** (الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية الطبعة، ۱۳۹۳ء)، ۲: ۸۴۶۔

۳- محمد سید الطنطاوی، **التفسیر الوسیط للقرآن الکریم** (قاہرہ: دار نهضة مصر، الطبعة الأولى)، ۲۱۳۳۔

۴- القرآن ۳: ۲۰۰۔

۵- ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (ریاض: دار عالم الكتب الطبعة، ۱۴۲۳ھ)، ۴: ۳۲۳۔

۳- دفاع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے نماز جیسی اہم عبادت میں بھی اپنے دفاع کا طریقہ سکھایا ہے اور دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے اس عظیم الشان فریضے میں رخصت دی ہے لیکن اپنے دفاع میں غفلت برتنے کو قطعاً گوارا نہیں کیا، نماز کی حالت میں دفاعی طریقہ کار کو قرآن نے اس انداز میں بیان کیا ہے: ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [۶]

مذکورہ آیت نے حربین سے جنگ کی صورت میں صلوٰۃِ خوف کی اجازت دی ہے، لیکن اس کے علاوہ دیگر دفاعی مقامات پر بھی صلوٰۃِ خوف کی اجازت ہے، اسی طرح صرف اپنی جان ہی نہیں، بلکہ اپنے مال اور اہل و عیال کی حفاظت و دفاع کے خاطر بھی صلوٰۃ الخوف کو جائز قرار دیا ہے، جس کی تصریح اہلِ علم نے کچھ یوں کی ہے:

وَكَذَلِكَ تَجُوزُ فِي كُلِّ قِتَالٍ مُبَاحٍ ، كَقِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ ، وَقُطَّاعِ الطُّرُقِ ، وَقِتَالِ مَنْ قَصَدَ إِلَى نَفْسِ شَخْصٍ ، أَوْ أَهْلِهِ أَوْ مَالِهِ ، قِيَاسًا عَلَى قِتَالِ الْحَرْبِيِّينَ ، وَجَاءَ فِي الأَثَرِ: مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. [۷]

اسی طرح صلاۃ الخوف ہر جائز قتال میں مباح ہے، جیسے باغیوں، راہ زنوں، اور اس شخص کے خلاف قتال جو کسی کی جان، مال یا اہل و عیال کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

نیز اسلام نے انسانی دفاع کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر قتال نہ ہو بلکہ صرف خوف و خطرہ ہو مثلاً سیلاب یا آگ یا درندے کا سامنا ہو، تو اس حالت میں بھی شریعت نے صلوٰۃ الخوف کی اجازت دی ہے۔

۴- قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ کفار کے مقابلے اور اسلام و مسلمانوں کے دفاع کے لیے جنگی ساز و سامان، اسلحہ اور سواری وغیرہ جمع کر کے رکھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۶- القرآن ۴: ۱۰۲۔

۷- **الموسوعة الفقهية الكويتية** (کویت: وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية)، ۲۷: ۲۱۵۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (۸)

(اور اے مسلمانو!) کفار کے مقابلے کے لیے جو قوت اور طاقت تم سے بن پڑے وہ مہیا کرو۔ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے (تیار رکھو)، تاکہ تم اپنی دھاک بٹھا سکو، اس (سامان حرب وضرب) کے ذریعے (ان ابناء کفر و باطل) پر جو کہ دشمن ہیں اللہ کے، اور دشمن ہیں تمہارے، اور ان کے علاوہ ان دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، مگر اللہ جانتا ہے ان سب کو، اور یاد (رکھو کہ) جو بھی کچھ تم لوگ خرچ کروگے اللہ کی راہ میں وہ پورا پورا لوٹایا جائے گا تمھاری طرف، اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلے کے لیے سامانِ جنگ تیار کرو، جس قدر اور طاقت تم فراہم کر سکتے ہو، اس میں کسر نہ چھوڑو۔ ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں سامانِ جنگ بدلتا رہتا ہے، پہلے زمانے میں تیر و تلوار تھے اور اس زمانے میں توپ و بندوق اور ایٹم و میزائل ہیں، یہ سب سامانِ جہاد ہے۔ اور اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلاتِ حرب وضرب تیار ہوں گے، وہ سب اس آیت کے عموم اور مفہوم میں داخل ہوں گے اور عین منشأ قرآنی ہوں گے، لہٰذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانے کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے آیت میں قیامت تک کے لیے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا، تاکہ کفر و شرک کا مقابلہ کر سکیں۔ (۹)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کفار سائنسی اور ایٹمی تحقیقات اور ایجادات کر کے مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے لیے خطرہ بن رہے ہوں تو از روے قرآن مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ بھی اسلام، مسلمانوں اور بلادِ اسلامیہ کے تحفظ و سلامتی کے لیے سائنسی اور ایٹمی تحقیقات کر کے جدید اسلحہ اور ٹیکنالوجی حاصل کریں تاکہ کفار مسلمانوں اور بلادِ اسلامیہ کے لیے خطرہ نہ بن سکیں، چناں چہ آج کے دور میں اگر کفار میزائل، ایٹم اور ڈرون ٹیکنالوجی تیار کر کے ملتِ اسلامیہ کے لیے خطرہ بن رہے ہیں تو قرآنِ کریم کی رو سے مسلمان حکومتوں پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس جدید ٹیکنالوجی کو متعارف کرائیں اور جدید تحقیقات کر کے اس میدان میں غیر مسلموں سے پیچھے نہ رہیں، تاکہ وہ بہتر انداز میں ملتِ اسلامیہ کا تحفظ اور دفاع کر سکیں۔

۸۔ القرآن ۸: ۶۰۔

۹۔ مولانا ادریس کاندھلوی، **تفسیر معارف القرآن** (سندھ: مکتبۃ المعارف شہداد پور، ۱۴۲۲ھ)، ۳: ۳۵۱۔

دفاع کی اہمیت احادیث کی نظر میں

رسول اللہ ﷺ نے بھی دفاع کو غیر معمولی اہمیت دی ہے، چناں چہ ذخیرۂ احادیث میں اس حوالے سے بہت ساری روایات پائی جاتی ہیں، نمونہ کے طور پر یہاں چند روایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا وما عليها“[۱۰] (اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن کی پہرہ داری دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔) یعنی ملتِ اسلامیہ، اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے پہرہ داری انجام دینے پر اللہ تعالیٰ اس قدر عظیم الشان اجر وثواب عطا فرماتے ہیں کہ ساری کائنات سے وہ افضل و بہتر ہے۔

۲۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كلُّ الميِّت يُختَم على عمله، إلا المُرابِطَ، فإنه ينمو له عملُه إلى يوم القيامة ويُؤمَّن من فتَّان القبرِ“[۱۱] (ہر شخص کا عمل مرنے پر ختم ہو جاتا ہے مگر جو شخص اسلامی سرحدات کی حفاظت کے لیے مورچہ پر بیٹھ کر وفات پائے اس کا یہ عمل قیامت تک برقرار رہتا ہے، اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔)

۳۔ مسند احمد بن حنبل میں آپ ﷺ کی یہ روایت مذکور ہے: ”رباط يوم في سبيل الله أفضل من ألف يوم فيما سواه.“ [۱۲] (اللہ تعالیٰ کے راستے میں اسلامی سرحد پر ایک دن پہرہ دینا دوسرے مقامات پر ہزار دن عبادت کرنے سے افضل ہے۔)

۴۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک منقول ہے:

عن سلمان، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «رباط يوم في سبيل الله خير من قيام شهر وصيامه يقام فلا يقعد ويصام، فلا يفطر، ومن مات مرابطا في سبيل الله نجا من عذاب القبر، ويجري عليه صالح عمله إلى يوم القيامة.[۱۳]

۱۰۔ محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری، صحيح البخاري (دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، ۴: ۳۵۔

۱۱۔ ابوداود سلیمان بن الأشعث السِّجِسْتاني، سنن أبي داؤد (بيروت: المكتبة العصرية) ۳: ۹۔

۱۲۔ احمد بن محمد بن حنبل، مسند أحمد (بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة، ۱۴۲۱ھ)، ۱: ۴۹۵۔

۱۳۔ ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی، مصنف عبد الرزاق (الہند: المجلس العلمي، ۱۴۰۳ھ)، ۵: ۲۸۱۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے گزارنا مسلسل ایک مہینے تک روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے، اور جس شخص کو اسلامی سرحدات کی حفاظت کرتے ہوئے موت آئے وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہو گا، اور اس کے نیک اعمال قیامت تک جاری رہیں گے۔

۵۔ **صحیح ابن حبان** میں اسلام، مسلمانوں اور مملکتِ اسلامیہ کی حفاظت اور سکیورٹی کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک منقول ہے: "موقف ساعة في سبيل الله خير من قيام ليلة القدر عند الحجر الأسود" [۱۴] (اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ دیر ٹھہرنا لیلۃ القدر میں حجرِ اسود کے سامنے عبادت کرنے سے بہتر ہے۔)

۶۔ رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿**وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ**﴾[۱۵] میں قوت کی تفسیر اپنے زمانے کے مروج آلاتِ حرب وضرب سے کرتے ہوئے فرمایا: "أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ-"[۱۶] (خبردار قوت تیر اندازی ہے، خبردار قوت تیر اندازی ہے۔)

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو تیر اندازی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد محض تیر اندازی نہیں بلکہ وقت کے جدید ترین ہتھیاروں کا استعمال ہے۔[۱۷]

حضور ﷺ کے زمانۂ مبارک میں تیر اندازی ہی جنگ کے لیے بہترین ہتھیار سمجھا جاتا تھا مگر آج اس سے ہر قسم کی بندوق، توپ، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں، فضا سے فضا اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل، جنگی کشتیاں اور تباہ کن بحری جہاز، ہوائی جہاز، راکٹ اور آبدوزیں مراد ہیں۔[۱۸]

۱۴۔ محمد بن حبان التمیمی، **صحیح ابن حبان** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۸ھ)، ۱۰: ۴۶۷۔

۱۵۔ القرآن ۸: ۶۰۔

۱۶۔ مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری، **صحیح مسلم** (بیروت: دار إحياء التراث العربي)، ۳: ۱۵۲۲۔

۱۷۔ امام جصاص، احمد بن علی ابو بکر الحنفی، **أحكام القران** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۰۵ھ)، ۴: ۲۵۳۔

۱۸۔ صوفی عبد الحمید سواتی، **تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن** (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، ۲۰۰۸ء)، ۹: ۱۷۸۔

رسول اللہ ﷺ کی سکیورٹی تدابیر

رسول اللہ ﷺ ضرورت کے مطابق مختلف موقعوں پر اپنی پہرہ داری کا باقاعدہ اہتمام فرمایا کرتے تھے:

"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پہرہ داری آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔" [۱۹]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سکیورٹی کے انتظامات کی تفصیل بتاتے ہوئے فرماتی ہیں: "أرق النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فقال: ليت رجلا صالحا من أصحابي يحرسني الليلة إذ سمعنا صوت السلاح، قال: من هذا؟ قال سعد: يا رسول الله، جئت أحرسك، فنام النبي صلى الله عليه وسلم حتى سمعنا غطيطه." [۲۰] (ایک رات نبی کریم ﷺ جاگتے رہے (تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں فکر مند ہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کاش! آج رات میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی میرا پہرہ دیتا، اتنے میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں آپ کی پہرہ داری کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ سکون اور اطمینان کی نیند سو گئے۔)

سکیورٹی سسٹم کے حوالے سے اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ احتیاطی اور حفاظتی تدابیر کا اہتمام کرنا۔

۲۔ دشمن کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے پہرہ داری کا انتظام کرنا۔

۳۔ لوگوں پر لازم ہے کہ ملک و ملت کے راہ نماؤں اور بڑوں کی حفاظت کریں۔

۴۔ دفاع کے لیے اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔[۲۱]

۱۹۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، رقم: ۱۹۵۵۳۔

۲۰۔ صحيح البخاري، ۹: ۸۳۔

۲۱۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباري (بیروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۴: ۸۲۔

سیرتِ طیبہ اور مسلم راہ نماؤں کے لیے سیکورٹی گارڈز

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی راہ نماؤں، لیڈروں، سپہ سالاروں اور دیگر اہم دینی وملی شخصیات کی حفاظت کے لیے سیکورٹی گارڈز کا اہتمام کرنا چاہیے، چناں چہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "إن قيس بن سعد كان يكون بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم، بمنزلة صاحب الشرط من الأمير"[۲۲] (حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آگے بطورِ محافظ رہا کرتے تھے۔)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نمازِ عید کے لیے نکلتے تو ساتھ نیزہ اٹھانے کا حکم دیتے، اسی نیزے سے سترہ کا کام بھی لیا جاتا، چناں چہ آپ ﷺ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے اور آپ سفر میں بھی اس طرح کیا کرتے۔[۲۳] مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ اپنے دفاع اور حفاظت کے لیے حفاظتی تدابیر اور سیکورٹی اقدامات کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا بنفسِ نفیس قوم کے دفاع کا اہتمام

نبی کریم ﷺ بذاتِ خود ایک بہترین سپہ سالار، مسلح محافظ اور نہایت دلیر تھے، اور آپ نے از خود کئی مواقع پر قوم کی حفاظت فرمائی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور بہادر تھے، ایک رات اہلِ مدینہ کسی خطرے کی آواز سے گھبرا کر اس آواز کی طرف نکلے، تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار گلے میں تلوار لٹکائے خطرے کا جائزہ لے کر واپس تشریف لا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: گھبراؤ مت، گھبراؤ مت۔[۲۴]

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف ذاتی و شخصی دفاع کو اہمیت دی ہے، بلکہ ملی و قومی دفاع کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پوری قوم سے پہلے بذاتِ خود خطرے کی طرف نکلتے ہیں، تاکہ ملت و قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

۲۲۔ البخاری، صحيح البخاري، ۹: ۶۵۔

۲۳۔ نفس مصدر، ۱: ۱۰۶۔

۲۴۔ نفس مصدر، ۴: ۳۹۔

تعلیمی اداروں اور دینی مراکز کا سکیورٹی سسٹم

آج کے پر فتن اور پر خطر دور میں جہاں ہر طرف بدامنی کا دور دورہ ہے، بدقسمتی سے تعلیمی ادارے اور دینی مراکز بھی اس کی زد میں ہیں اور مختلف طریقوں سے ان کو نشانہ بنایا جاتا ہے، چناں چہ ان حالات میں تعلیمی اداروں اور دینی مراکز کی سکیورٹی نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام کی جامع تعلیمات نے اس باب میں بھی ہماری راہ نمائی فرمائی ہے، چناں چہ حضرت حارث بن حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قدمت المدينة فرأيت النبي صلى الله عليه و سلم قائما على المنبر وبلال قائم بين يديه متقلد سيفا." [۲۵] (میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت بلال گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے تھے۔)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے **البداية والنهاية** میں لکھا ہے کہ ایک دن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لیے نکلے، تو برک نامی شخص نے آپ پر حملہ کیا، جس سے آپ زخمی ہو گئے، برک پکڑا گیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا، برک نے کہا آپ مجھے چھوڑ دیں میں آپ کو یہ خوش خبری سنا دیتا ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا خوش خبری ہے؟ اس نے کہا کہ آج میرے بھائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔(چوں کہ حضرت علی اور حضرت معایہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اجتہادی نوعیت کا اختلاف تھا اس لیے اس کے خیال میں یہ تھا کہ اس خبر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوش ہو کر مجھے معاف کر دیں گے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شاید وہ قتل نہ کر سکا ہو۔ اس نے کہا کہ چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سکیورٹی گارڈ نہیں رکھتے، لہٰذا میرا بھائی ضرور اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گیا ہو گا، یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

"ومن حينئذ عملت المقصورة في المسجد الجامع وجعل الحرس حولها في حال السجود، فكان أول من اتخذها معاوية لهذه الحادثة." [۲۶]

اس وقت سے جامع مسجد دمشق میں مقصورة (سکیورٹی روم) بنایا گیا، اور نماز کی حالت میں سکیورٹی گارڈ مقرر کیے گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے باقاعدہ اس کا اہتمام فرمایا، لیکن یہ حفاظتی اقدامات

۲۵- ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجه (دار الرسالة العالمية، ۱۴۳۰ھ) ، ۴: ۹۲۔

۲۶- ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، البداية والنهاية (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۷ھ)، ۷: ۳۲۹۔

صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک محدود نہیں تھے، بلکہ یہ سلسلہ آپ کے بعد بھی جاری رہا، چناں چہ آپ کے بعد بھی حکام وامراء نے مساجد میں حفاظتی کمروں کا اہتمام کیا، حضرت عبد اللہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مقصورہ (مسجد کے اندر حفاظتی کمرے) میں فرض نماز پڑھتے دیکھا۔[۲۷] اسی طرح حضرت عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سالم، قاسم اور امام نافع کو مقصورہ (سکیورٹی روم) میں نماز پڑھتے دیکھا۔[۲۸]

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اہم شخصیات کے لیے سکیورٹی اقدامات ضروری ہیں۔ اسی طرح دینی مراکز اور تعلیمی اداروں میں سکیورٹی انتظامات کرنا بھی حکومتِ وقت کے فرائض میں سے ہے، خصوصاً آج جیسے پر فتن دور میں جہاں نہ دینی مراکز محفوظ ہیں اور نہ ہی تعلیمی ادارے، حکومت کی ذمے داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ ان دینی، ملی اور تعلیمی اداروں کی سکیورٹی محفوظ بنائے۔

انٹیلی جنس سسٹم اور دیگر آلاتِ جدیدہ کا استعمال سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

آج کے دور میں انٹیلی جنس کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں، دنیا کا ہر ملک اس کا باقاعدہ اہتمام کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے ملک وقوم کے دفاع اور دشمنوں کی سازشوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ اسلام، مسلمانوں اور اسلامک سٹیٹس کے دفاع کے لیے خفیہ اہلکاروں (انٹیلی جنس) سے مدد لینا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جاسوسی کی فضیلت کے بارے میں مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے "باب فضل الطليعة" اور اس باب کے تحت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل فرمائی ہیں:"عن جابر رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «من يأتيني بخبر القوم يوم الأحزاب؟» قال الزبير: أنا، ثم قال: "من يأتيني بخبر القوم؟»، قال الزبير: أنا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «إن لكل نبي حواريا وحواري الزبير."[۲۹] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر فرمایا کہ کون میرے پاس دشمن کی خبر لے کر آئے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ یہی سوال کیا تو پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیغمبر کا ایک حواری (مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری حضرت زبیر ہے۔)

۲۷- الحافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم، مصنف ابن أبي شيبة (بیروت: دار الفکر)، ۱: ۴۹۹۔

۲۸- نفس مصدر، ۱: ۵۰۰۔

۲۹- البخاری، صحيح البخاري، ۴: ۲۷۔

غزوۂ احزاب اسلامی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل ہے جس میں مسلمانوں پر بہت سخت حالات آئے، عرب کے مختلف قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو وائل، غطفان اور قریشِ مکہ نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مسلمانوں نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی۔[۳۰] دشمن کے لشکر نے تقریباً ایک مہینے تک مسلمانوں کا محاصرہ کیا۔[۳۱] ایک دن حضرت نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ چوں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں، لہٰذا آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ان دشمنوں کے خلاف کوئی خفیہ تدبیر اختیار کروں، آپ ﷺ نے انہیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "فَاخْرُج فَإِن الحَرْب خدعة"[۳۲] (آپ چلے جائیں، کیوں کہ جنگ تو چال بازی کا نام ہے۔) حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بنو قریظہ کے ہم مشرب تھے، چناں چہ آپ نے ان کے پاس جا کر کہا کہ آپ لوگوں کو ہمارا قریبی تعلق معلوم ہے، انھوں نے کہا کہ آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیے کیوں کہ ہمیں آپ پر کوئی بدگمانی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ قریش اور غطفان والے تو باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں، اگر جنگ میں کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر شکست ہو جائے تو واپس چلے جائیں گے، مگر آپ لوگ یہاں کے رہائشی ہیں اور شکست کی صورت میں آپ یہاں اکیلے رہ جائیں گے، لہٰذا آپ ان لوگوں کا ساتھ نہ دیں جب تک وہ اپنے چند لوگوں کو آپ کے پاس رہن (گروی) نہ رکھوائیں۔ اس کے بعد آپ قریش کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہود اپنے کیے پر نادم ہیں، اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد کریں تاکہ مسلمان انہیں قتل کریں اس کے بعد وہ مسلمانوں سے صلح کر لیں گے اور ان کے ساتھ مل کر آپ کا خاتمہ کر دیں گے؛ پھر آپ غطفان کے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے بھی اس طرح بات کی۔

۳۰- یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، الدرر في اختصار المغازي والسير (قاہرہ: دار المعارف، ۱۴۰۳ھ)، ۱۶۹-۱۷۰۔

۳۱- نفس مرجع، ۱۷۳۔

۳۲- نفس مرجع، ۱۷۶۔

ہفتے کی رات قریشِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کے چند لوگوں کے ساتھ یہودِ بنی قریظہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ جانور اور سواریاں ہلاک ہوگئیں، لہٰذا کل صبح مسلمانوں پر چڑھائی کرنی ہے۔ یہودِ بنی قریظہ نے جواب میں کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کل ہفتے کا دن ہے (ہفتے کے احترام میں ہم لڑائی کے لیے نہیں جاسکتے) نیز یہ کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ اس وقت تک قتال کے لیے نہیں جائیں گے، جب تک آپ اپنے چند لوگوں کو ہمارے پاس رہن نہ رکھوائیں۔ قریش نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم ہم ہرگز اپنے لوگوں کو رہن نہیں رکھوائیں گے اگر جانا ہے تو ٹھیک ورنہ ہمارا اور آپ کا معاہدہ ختم۔ اس پر بنو قریظہ نے کہا کہ اللہ کی قسم نعیم بن مسعود نے سچ کہا تھا، اس طرح حضرت نعیم بن مسعود کی اس تدبیر اور منصوبے کے نتیجے میں یہود اور مشرکین کا اتحاد ختم ہوگیا۔(۳۳)

جب رسول اللہ ﷺ کو ان کے اختلاف کا علم ہوا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقِ احوال کے مشن پر روانہ فرمایا، اور ساتھ ہی یہ تاکید کی کہ وہاں کوئی کارروائی نہ کرنا، بلکہ صرف احوال کا جائزہ لے کر آنا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق روانہ ہوئے، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو ابوسفیان کو شک ہوا کہ شاید رات کی اس تاریکی میں باہر کا کوئی شخص آیا ہے اس لیے اس نے کہا کہ ہر شخص اپنے برابر والے شخص کی تحقیق کرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی ذہانت اور بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے فوراً اپنے برابر والے شخص کا ہاتھ پکڑ کر اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اس کے بعد ابوسفیان نے اعلان کیا کہ ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوگئے، بنو قریظہ نے بھی وعدہ خلافی کی اور آندھی نے ہمارا برا حال کر دیا لہٰذا واپس چلو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ تاکید نہ ہوتی کہ تحقیقِ احوال کے علاوہ کچھ نہ کرنا تو میں اس رات ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا۔(۳۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جنگ میں پیش آمدہ احوال کی مکمل تحقیقی کا نظام اپنانے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے مروج تمام آلات واسباب کو ملک و قوم کے دفاع کے لیے بروئے کار لائے ہیں۔ احادیثِ طیبہ میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر دفاعی آلات اور دست یاب ہتھیاروں کو بذاتِ خود بھی استعمال فرمایا ہے، مثلاً زرہیں جن کو آج کی اصطلاح میں ہم بلٹ پروف جیکٹس سے تعبیر کرسکتے ہیں، اسی طرح لوہے کی بنی ہوئی جنگی ٹوپی۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۳۳۔ نفس مرجع، ۱۷۶۔

۳۴۔ نفس مرجع، ۱۷۷۔

"كان على النبي صلى الله عليه وسلم درعان يوم أحد."[۳۵] (غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ دو زرہیں زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔)

اس دور میں اپنی جان کو دشمن کے تیروں اور تلواروں سے بچانے کے لیے لوہے کے کپڑے (زرہیں) استعمال ہوتے تھے، تو آپ علیہ السلام نے بھی اپنے تحفظ کے لیے احد کے موقع پر انھیں استعمال فرمایا۔ اسی طرح سر کی حفاظت کے لیے جنگی ٹوپی استعمال کی جاتی تھی، جسے آپ ﷺ نے بھی استعمال فرمایا ہے، چناں چہ جب حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

جرح وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكسرت رباعيته، وهشمت البيضة على رأسه، فكانت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم تغسل الدم، وكان علي بن أبي طالب يسكب عليها بالمجن، فلما رأت فاطمة أن الماء لا يزيد الدم إلا كثرة، أخذت قطعة حصير فأحرقته حتى صار رمادا، ثم ألصقته بالجرح، فاستمسك الدم-[۳۶]

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا، اور آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر جنگی ٹوپی تھی جو ٹوٹ گئی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خون دور رہی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مشکیزے سے پانی ڈال رہے تھے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی سے خون مزید بڑھ رہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے روئی کا ایک ٹکڑا اجلا کر اس کو راکھ کر دیا پھر اس کو زخم پر لگا دیا جس سے خون رک گیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے دفاع (سکیورٹی) کے حوالے سے چند اہم امور معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ جنگ اور دفاع میں خفیہ تدابیر اور انٹیلی جنس کے اقدامات رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، اور یہ دفاع اور ملکی سلامتی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۲۔ دشمن کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے ان میں پھوٹ ڈالنا اور انھیں انتشار وافتراق میں مبتلا کرنا بہترین جنگی حکمتِ عملی ہے۔

۳۵۔ ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، **سنن الترمذي**، أبواب الجهاد، باب ما جاء في الدرع (بيروت: دار الغرب الإسلامي، ۱۹۹۸ء)، ۳: ۲۵۳، رقم: ۱۶۹۲۔

۳۶۔ مسلم، **صحيح مسلم**، كتاب الجهاد و السير، باب غزوة أحد (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ۳: ۱۴۱۶، رقم: ۱۷۹۰۔

۳۔ امیر لشکر اور سپہ سالار کے حکم کی پوری طرح تعمیل کرنا، یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے سپہ سالار کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی وجہ سے قتل نہیں کیا۔

۴۔ انٹیلی جنس پر مامور افراد انتہائی ذہین اور فطین ہونے چاہییں، تاکہ وہ ہر طرح کے حالات میں بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے اپنے اعصاب پر قابو پا کر فوری فیصلہ کر سکیں۔

۵۔ دشمن کے حملوں سے بچنے کے لیے حفاظتی لباس مثلاً بلٹ پروف جیکٹس اور جنگی ٹوپی جیسے ہیلمٹ وغیرہ کا استعمال کرنا چاہیے، جیسا کہ سیرتِ طیبہ سے اس کا ثبوت اور تائید ملتی ہے۔

دفاعی بجٹ مختص کرنا

موجودہ دور میں ہر حکومت اپنے بجٹ کا ایک وافر حصہ ملکی سلامتی کے لیے مختص کرتی ہے، جس سے نت نئے آلاتِ حرب کی تیاری وخریداری، افواج کی تنخواہوں اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے، مگر یہ عہدِ حاضر کی ایجاد نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اوّلین ریاست میں بذاتِ خود دفاعی اخراجات کے لیے بجٹ کا ایک حصہ مختص فرمایا تھا، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كانت أموال بني النضير مما أفاء الله على رسوله صلى الله عليه وسلم، مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل، ولا ركاب، «فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة، وكان ينفق على أهله نفقة سنته، ثم يجعل ما بقي في السلاح والكراع عدة في سبيل الله.»[۳۷]

بنی نضیر کے مال (و دولت) کو اللہ تعالیٰ نے بغیر لڑائی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ مسلمانوں نے اس کے لیے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ (یعنی بغیر جنگ کے حاصل ہوا) اس مال کا خرچ کرنا خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (مالِ فئی) سے ازواجِ مطہرات کا سالانہ خرچ دیتے تھے اور جو باقی بچتا تھا اسے سامان جنگ اور گھوڑوں کے لیے خرچ کرتے تھے تاکہ اللہ رب العزت کے راستے میں جہاد کے موقع پر کام آئیں۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکتِ اسلامیہ میں ملکی دفاع کے لیے اسلحہ اور سامانِ جنگ کی تیاری اور خریداری کے لیے باقاعدہ مستقل بجٹ کا ہونا ضروری ہے، جس سے ہر قسم کے آلاتِ حرب وضرب، ٹینک، طیارے، میزائل، ایٹم بم اور ڈرون وغیرہ کی خریداری اور تیاری یقینی بنا کر اسلام، مسلمانوں اور مملکتِ اسلامیہ کے حدود کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔

۳۷۔ البخاري، **صحيح البخاري**، كتاب الجهاد والسير، باب المجن و من يترس بترس صاحبه، ۴: ۳۸، رقم: ۲۹۰۴۔

دفاع کی اہمیت فقہائے کرامؒ کی نظر میں

فقہائے کرام نے دیگر اسلامی احکام و قوانین کی طرح ملکی دفاع اور اس کے اصول و قوانین پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ ملک و ملت کا دفاع فقہائے کرامؒ کے نزدیک اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ کئی حضرات نے اس موضوع پر باقاعدہ مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں ایک مشہور نام فقیہ ملت امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جنھوں نے دفاعی نظام، اقدامات، اہمیت اور طریقہ کار پر دو ضخیم کتابیں **السیر الصغیر** اور **السیر الکبیر** کے نام سے لکھی ہیں جو فقہ حنفی کی بنیادی اور اساسی کتابوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح مشہور شافعی فقیہ عزالدین بن عبد العزیز بن عبد السلام السلمیؒ (المتوفیٰ: ۶۶۰ھ) نے **أحکام الجهاد و فضائله** کے عنوان سے دفاع پر مستقل کتاب ہے۔ مشہور مورخ و مفسر علامہ ابن کثیر (المتوفیٰ: ۷۷۴ھ) نے **الاجتهاد في طلب الجهاد** کے نام سے سرحدات کی حفاظت کی اہمیت پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام مکاتب فکر کی معروف کتبِ فقہ میں دفاعی قوانین، اصول و ضوابط اور متعلقہ احکامات پر مستقل ابواب موجود ہیں۔ عصرِ حاضر کے فقہا نے بھی اس موضوع پر تحقیقی کام کیا ہے، جن میں یوسف القرضاوی کی **فقه الجهاد**، علی بن نائف الشحود کی **المفصل في فقه الجهاد**، شیخ محمد ابو زہرہ کی **نظرية الحرب في الإسلام** اور وہبہ الزحیلی کی **آثار الحرب في الإسلام** نمایاں ہیں، جس سے فقہائے کرامؒ کی نظر میں دفاع کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اردو زبان میں بھی حالیے عرصے میں اس حوالے سے مختلف قابل قدر کام سامنے آئے ہیں۔

مروجہ دفاعی اقدامات کا فقہی جائزہ

موجودہ دور کو ایٹمی دور کہا جاتا ہے، جس میں سائنس کی ترقی کی بدولت انسانوں نے ناقابلِ یقین تسخیریں اور ایجادات کی ہیں۔ اس حوالے سے دنیا کے مختلف ممالک نے ملکی و قومی دفاع کے لیے نت نئے طریقے اختیار کیے ہیں، جن میں جدید انٹیلی جنس سسٹم، جاسوس طیارے، ڈرون طیارے، بحری اور ہوائی جنگی جہاز وغیرہ شامل ہیں۔ ان حالات میں فقہ اسلامی کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے، تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے حصولِ طاقت کی کوشش کرے، اس کے لیے جدید عسکری طاقت کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور مادی و فکری قوت کو حاصل کرے، اس لیے کہ دفاع کے لیے ایک اہم اور ناگزیر ضرورت مضبوط معاشی نظام کی ہے، کیوں کہ جو ملک معاشی اور اقتصادی طور پر کم زور ہو وہ کبھی بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔

موجودہ حالات کے پیشِ نظر جہاں اسلام اور مسلمان دشمن قوتیں جدید اسلحے تیار کرنے، معاشی اور اقتصادی قوت حاصل کرنے اور اپنی افواج کو ہر قسم کے جنگی آلات واسباب سے لیس کرنے کے درپے ہیں، فقہی نقطۂ نظر سے ملکی و قومی دفاع کو بطریقِ احسن انجام دینے کے لیے مسلمان حکم رانوں کی مندرجہ ذیل اہم اور بنیادی ذمہ داریاں بنتی ہیں:

۱۔ ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید آلاتِ حرب کا حصول

موجودہ دور میں ملکی و قومی دفاع میں بنیادی کردار ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید جنگی ہتھیاروں کا ہے، جن کے بغیر کوئی بھی ملک اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا، تاہم اس اسلحہ نے موجودہ دور میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائی ہے جیسا کہ دوسری جنگ عظیم میں امریکا کی طرف سے جاپان کے دو بڑے شہروں کی ہولی ناک تباہی معروف ہے، اس لیے جدید ایٹمی اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحہ کے جواز کے بارے میں معاصر اہل اختلاف رکھتے ہیں۔ اکثریت کی رائے تو یہی ہے کہ اس ٹیکنالوجی کا حصول جائز ہے۔ محمد بن ناصر الجعوان نے **القتال في الإسلام: احقامه و لشر لعائه** میں، احمد نے **القتال في الإسلام** میں، خیر الدین مبارک نے **اسلحة الدمار القتامل و حكمها فى الفقه الإسلامي** میں۔ یہی موقف اپنایا ہے۔ معروف فقیہ ڈاکٹر یوسف القروضاوی کا موقف بھی یہی ہے۔ لہٰذا فقہی نقطۂ نظر سے امتِ مسلمہ کی ذمے داری بنتی ہے کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید آلاتِ حرب حاصل کرے، چناں چہ شیخ علی بن نائف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد ورد لفظ القوة في الآية الكريمة مطلقا بغير تحديد ولا تقييد، فهو يتسع ليشمل كل عناصر القوة ماديا ومعنويا، وما يتقوى به على حرب العدو، وكل ما هو آلة للغزو والجهاد فهو من جملة القوة. وقد تركت الآية الكريمة تحديد القوة المطلوبة؛ لأنها تتطور تبعا للزمان والمكان، وحتى يلتزم المسلمون بإعداد ما يناسب ظروفهم من قوة يستطيعون بها إرهاب العدو.[۳۸]

قرآنِ کریم میں لفظ "قوت" بغیر کسی قید کے آیا ہے، جو ہر قسم کی مادی اور معنوی (فکری) قوت اور طاقت کو شامل ہے، اور ہر وہ چیز جو دشمن کے خلاف قوت کا باعث ہو اور جو چیز جہاد اور مقابلے کا آلہ ہو تو وہ سب قوت کے ضمن میں آتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے مطلوبہ قوت کی حد بندی نہیں فرمائی، کیوں کہ مختلف زمانوں اور مکانات کے اعتبار سے قوت بدلتی

۳۸۔ علی بن نایف الشحود، **المفصل في فقه الجهاد** (قاہرہ: مکتبة وهبة، ۲۰۱۲ء)، ۱۸۶۔

رہتی ہے، قرآن کریم نے قوت کی حد بیان نہیں کی تا کہ مسلمان حسبِ احوال اتنی قوت اور طاقت حاصل کرنے کو لازم سمجھیں جو دشمن کے مقابلے اور ان کے دلوں میں رعب جمانے کے لیے کافی ہو۔

اسی طرح معاصر فقہاے کرام میں مشہور فقیہ علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: "هذا الأمر يشمل إعداد كلِّ وسائل القوة العسكرية اللازمة لتحقيق الانتصار على العدو."[۳۹] (قرآنِ کریم کا حکم ان تمام فوجی طاقتوں کے حصول کو شامل ہے جو دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ناگزیر ہوں۔)

موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "أقول هنا: إن النصَّ على الخيل - باعتبارها وسيلة من وسائل القوة في العصور الماضية ..... ولهذا أَعتبر أن خيل عصرنا هي: الدبابات والمصفحات والمجنزرات وغيرها من الآليَّات المقاتلة في البرِّ. بل يشمل هذا المعدات البحرية من السفن والبوارج الحربية والغواصات وغيرها...... وهناك الأسلحة النووية." [۴۰] (قرآنِ کریم نے لفظ "خیل" (گھوڑے) کی تصریح اس لیے فرمائی ہے کہ اس زمانے میں یہ طاقت اور قوت کا ذریعہ تھا، لیکن ہر زمانے میں اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، چناں چہ ہمارے زمانے میں اس کا مصداق ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر بری آلاتِ حرب کے ساتھ ساتھ سمندری بیڑے، آبدوزیں، جنگی جہاز اور ایٹمی اسلحہ وغیرہ ہیں۔)

جدید اسلحہ اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ دفاع کو منظم بنانے کے لیے باصلاحیت افواج بھی ضروری ہیں کیوں کہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو جدید اسلحے کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک و قوم کا دفاع یقینی بناتے ہیں، ایسی فوج کی تشکیل اور تربیت اسلامی مملکت کی اولین ذمہ داریوں میں سے ہے۔ تاہم اس اسلحے کے استعمال کے لیے ضروری کہ آدابِ حرب کو کسی صورت ترک نہ کیا جائے ورنہ یہی چیز ظلم وعدوان کے زمرے میں داخل ہو جائے گی۔

۲۔مضبوط اقتصادی طاقت کا حصول

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مضبوط معیشت کے بغیر کوئی بھی ملک یا قوم اپنا دفاع اور تحفظ نہیں کر سکتے، اور نہ عالمی سطح ہی پر اس کو اہمیت دی جاتی ہے، بلکہ کم زور معیشت کے نتیجے میں وہ ہمیشہ غیروں کے زیرِ بار

۳۹۔ یوسف القرضاوی، فقه الجهاد (قاہرہ: مكتبة وهبة)،۱: ۵۲۱۔

۴۰۔ القرضاوی، نفس مرجع،۱: ۵۲۸-۵۳۱۔

رہتے ہیں، اس لیے ایک مضبوط دفاعی قوت بننے کے لیے مضبوط معیشت کا ہونا از حد ضروری ہے، چناں چہ معاصر فقیہ رجب ابو ملیح فرماتے ہیں: "ومن الإعداد المطلوب للجهاد: الإعداد الاقتصادي."[۴۱] (جہاد کے لیے مطلوبہ تیاریوں میں سے ایک اقتصادی تیاری بھی ہے۔)

۳۔ فکری تیاری

مضبوط دفاع کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی چیز فکری اور اخلاقی تیاری ہے، کہ امتِ مسلمہ کے افراد ذہنی طور پر اپنے ملک وملت کے دفاع کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں، اس کو اپنے لیے دین ودنیا کی ترقی اور کام یابی کا ذریعہ سمجھیں اور اخلاقی طور پر رذائل اور برائیوں سے اجتناب کریں، تاکہ ان کے اندر خواہش پرستی اور دنیا پرستی کا غلبہ نہ ہو ورنہ وہ دنیا کی خاطر قوم وملت کی عزت وآبرو کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہوں گے اور خود ملک وقوم کے غدار بن کر ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوں گے۔ اس لیے مملکت کی یہ ذمے داری بھی بنتی ہے کہ وہ افراد کی تربیت واصلاح کی فکر کرے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "المؤمن القوي خير وأحبُّ إلى الله من المؤمن الضعيف."[۴۲] قوی مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل اور بہتر ہے۔ یہاں قوی سے مراد عمل اور ایمان کے اعتبار سے قوت ہے، چناں چہ ملکی دفاع کے لیے ضروری ہے کہ ملک وملت کے افراد اچھے اخلاق اور صفات سے مزین ہوں، کیوں کہ اگر افراد باعمل اور باکردار ہوں گے تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ہوگی اور یہی مسلمانوں کی کام یابی وکام رانی کا اصل سبب ہے۔

جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کے مثبت اثرات

ملکی وقومی دفاع کے لیے جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کا حصول از حد ضروری ہے، کیوں کہ موجودہ دور میں اس کے بغیر عالمی سطح پر نہ کسی ملک کی کوئی خاص اہمیت اور وقعت ہوتی ہے اور نہ اس کو مضبوط مقابل کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں عالمی قوتیں اور ایٹمی طاقت کے حامل ممالک اس پر اپنی رائے اور نظام مسلط کرنے میں

۴۱۔ رجب ابو ملیح، "قراءة في كتاب فقه الجهاد للقرضاوي"،
www.qaradawi.net/new/Articles-4694,visited, 25/1/2016.

۴۲۔ محمد بن حبان، **صحيح ابن حبان التميمي**، باب ما يكره من الكلام وما لا يكره، (بيروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۳ء)، رقم: ۵۷۲۱۔

کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتیں، اس لیے ملک و قوم کے دفاع اور اپنی حیثیت و تشخص برقرار رکھنے کے لیے عصرِ حاضر میں ایٹمی ٹیکنالوجی بنیادی اہمیت رکھتی ہے، لہٰذا عصرِ حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا حصول عباراتِ فقہا کی روشنی میں لازمی ہے، چناں چہ مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ **شرح السیر الکبیر** میں تحریر فرماتے ہیں: "والحاصل أن ما يعينه على الجهاد فهو مندوب إلى تعلمه." [۴۳] (خلاصہ یہ کہ جو چیز جہاد کے لیے معاون ہو اس کا سیکھنا افضل اور بہتر ہے۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عصرِ حاضر میں ملکی و قومی دفاع میں سب سے اہم اور بنیادی کردار سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر اگر اس کے حصول میں غیر مسلموں سے استفادے کی نوبت آجائے تو فقہائے کرامؒ کی عبارات کی روشنی میں اس میں کوئی قباحت نہیں، چناں چہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: "وسألته عن المسلمين يستعينون بأهل الشرك على أهل الحرب؟ قال: لا بأس بذلك، إذا كان حكم الإسلام هو القاهر الغالب." [۴۴] (میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا مسلمان اہلِ حرب کے خلاف مشرکین سے مدد لے سکتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جب اسلام کا حکم غالب ہو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمانوں کو ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی علوم سیکھنے کے لیے غیر مسلموں سے استفادہ کرنا پڑے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر ملک و ملت کے دفاع میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔

جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کے منفی پہلو

ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید اسلحہ کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں۔ ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید ہتھیاروں کی وجہ سے جنگ کا دائرہ کار صرف مقاتلین اور جنگجوؤں تک محدود نہیں رہتا، بلکہ ہزاروں، لاکھوں بے گناہ اور جنگ میں حصہ نہ لینے والے لوگ بھی اس کے تباہ کن اثرات کے شکار ہوتے ہیں، جس کا مشاہدہ دنیا نے جاپان، افغانستان، شام اور عراق میں کیا ہے، کہ ان جدید ہتھیاروں کے استعمال سے بے شمار بچے، عورتیں، بوڑھے، معذور اور بے گناہ افراد

۴۳- ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، **شرح السیر الکبیر** (الشركة الشرقية للإعلانات، ۱۹۷۱ء)، ۱: ۱۱۳۔

۴۴- محمد بن الحسن الشیبانی، **السیر الصغیر**، (اسلام آباد: مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية، ۱۹۹۸ء)، ۵۹۔

بھی لقمۂ اجل بن کے رہ گئے، نسلوں کی نسلیں اور قوموں کی قومیں تباہ ہو گئیں، حالاں کہ اسلامی تعلیمات ہمیں اس بات سے منع کرتی ہیں کہ عین جنگ کے دوران بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کیا جائے، چناں چہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "أما حال القتال فلا يحل فيها قتل امرأة ولا صبي ولا شيخ فان ولا مقعد ولا يابس الشق ولا أعمى ولا مقطوع اليد والرجل من خلاف ولا مقطوع اليد اليمنى ولا معتوه ولا راهب في صومعة ولا سائح في الجبال لا يخالط الناس وقوم في دار أو كنيسة ترهبوا وطبق عليهم الباب." [۴۵] (جنگ کے دوران عورت، بچے، بوڑھے، اپاہج، مفلوج اور اندھے کا قتل جائز نہیں، اور نہ اس شخص کا قتل جائز ہے جس کا ایک ہاتھ اور پاوں کٹا ہوا ہو، یا جس کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو، اور نہ باؤلے، اپنی عبادت گاہ میں عبادت کرنے والے، لوگوں سے الگ تھلگ پہاڑوں میں رہنے والے، گھر یا عبادت خانے کا دروازہ بند کر کے اندر الگ رہنے والوں کو قتل کرنا جائز ہے۔)

اسی طرح ان ہتھیاروں کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے استعمال سے طرح طرح کی بیماریاں اور وبائیں پھیل جاتی ہیں، چناں چہ جہاں یہ کیمیائی ہتھیار استعمال ہو چکے ہیں وہاں جلدی بیماریاں بکثرت پھیلتی ہیں، اور نئی پیدا ہونے والی نسل عموماً اپاہج اور معذور ہوتی ہے۔ ہیروشیما اس کی زندہ مثال ہے، جہاں آج نہ صرف انسان مفلوج اور اپاہج پیدا ہوتے ہیں بلکہ نباتات کا بھی نام ونشان باقی نہیں۔

ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید ہتھیار کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ یہ فضائی اور ماحولیاتی آلودگی کا باعث بنتے ہیں، جو انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہے، جب کہ شریعت نے ماحول اور فضا کو آلودہ کرنے کو بہت ناپسند کیا ہے اور ماحول کو آلودگی سے بچانے کے تدابیر کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی ہے، چناں چہ درخت لگانے کے بہت سے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے کا باعث ہے۔ شریعت نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص درخت اگائے اس کا ثواب مرنے کے بعد قبر میں بھی اس کو ملتا رہے گا۔[۴۶]

ٹیکنالوجی کے فضائی آلودگی میں اضافے کا سبب بننے اور اس حوالے سے اسلامی تعلیمات پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں:

۴۵۔ علاءالدین الکاسانی، **بدائع الصنائع**، (بیروت: دار الكتاب العربي، ۱۹۸۲ء)، ۷: ۱۰۱۔

۴۶۔ ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، **مسند البزار** (مدینہ منورہ: مكتبة العلوم والحكم، ۲۰۰۹ء)، ۱۳: ۴۸۳۔

فالإسلام يوكد على كل من الطهارة والنظافة ولا يقتصر على أحدهماو ذلک لأن النظافة سبب لإزالة التلوث الحسي كما أن الطهارة سبب لإزالة التلوث المعنوي... ولا شک أن أجهزة التكنالوجى أدت دورا كبيرا فى تلبية حاجات العمران المتزايد ولكن التغلغل في استخدام الادوات التكنالوجية في جميع مناحي الحيوة دون أي تقيد بسبب الدوافع السئية التى ذكرناها هو الذى أخل بالتوازن، فإنه لم تكن هناک قيم لحصر هذه الدوافع في حدود معقولة ولا كان هناک اساس لتميز ما هو معقول من غيره.[۴۷]

اسلام طہارت اور نظافت دونوں کی تاکید کرتا ہے، اور کسی ایک پر اکتفا نہیں کرتا، کیوں کہ جس طرح نظافت حسی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اسی طرح طہارت معنوی آلودگی دور کرنے کا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے آلات نے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے، لیکن جب برے محرکات کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں ٹیکنالوجی کے آلات کو اس قدر وسعت کے ساتھ کسی پابندی کے بغیر استعمال کیا گیا تو یہی چیز ہے جس نے اس توازن میں خلل ڈالا، کیوں کہ کوئی ایسی اقدار تو تھی نہیں جن کے ذریعے ان محرکات کو معقول حدود کے اندر لایا جاسکے اور نہ کوئی ایسا معیار موجود تھا جس کے ذریعے معقول اور غیر معقول میں تمیز کی جاسکے۔

نتائج بحث

۱۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے لیے مضبوط دفاعی سسٹم کا ہونا از حد ضروری ہے۔

۲۔ دفاعی تدابیر اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ اس کا اہتمام ہرگز نہ فرماتے۔

۳۔ اہم شخصیات اور دینی و تعلیمی اداروں کی سکیورٹی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمے داری ہے۔

۴۔ اسلامی تعلیمات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ملکی دفاع میں انٹیلی جنس کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔

۵۔ ملکی دفاع کے لیے مروج تمام جدید آلات کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔

۶۔ ملکی دفاع مستحکم بنانے کے لیے اگر غیر مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت پڑے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر ملک وملت کا دفاع ہر حال میں ضروری اور لازمی ہے۔

۴۷۔ محمد تقی العثمانی، ''التلوث البنئي و أسبابه''، **البلاغ**، کراچی، ۴۶: ۱ (۱۴۳۲ھ)۔

۷۔ جدید ایٹمی ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرنا امتِ مسلمہ کی ضرورت اور ذمہ داری ہے۔

۸۔ عالمی سطح پر جنگی ٹیکنالوجی کو محدود کرنے کے لیے کاوشوں کی ضرورت ہے تا کہ دنیا اس کے خطرناک نتائج اور تباہ کن اثرات سے کسی حد تک محفوظ ہو سکے۔